Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English
ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)
Home Page: http://www.arjish.com
Approved by HEC in "Y" Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan
Website: www.arjish.com
Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020
This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International License

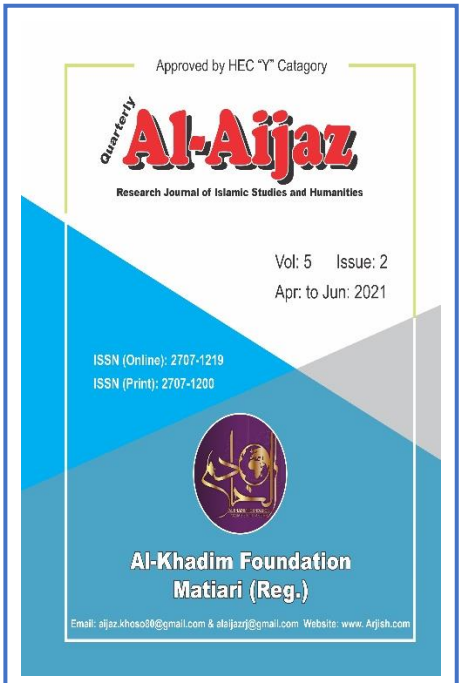

TOPIC:

Critical Perspective of Meerza Adeeb's Dramas on Islamic Historic Personalities

AUTHORS:

1. Dr. Naseem Abbas Ahmar, Assistant Professor Urdu, University of Okara.
Email: naseemahmar@hotmail.com
2. Dr. Sumaira Ijaz, Assistant Professor Urdu, University of Okara.
Email: sumairanaseem26@gmail.com

How to cite:
Ahmar, N. A., & Ijaz, S. (2021). Urdu-23 Critical Perspective of Meerza Adeeb's Dramas on Islamic Historic Personalities. *Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities*, *5*(2), 299-309. https://doi.org/10.53575/Urdu23.v5.02(21).299-309

URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/313

Vol: 5, No. 2 | April to June 2021 | Page: 299-309

Published online: 2021-06-20

QR Code

میر زاادیب کے اسلامی تاریخی شخصیات پر ڈراموں کا تنقیدی تناظر

Critical Perspective of Meerza Adeeb's Dramas on Islamic Historic Personalities

Dr. Naseem Abbas Ahmar*
Dr. Sumaira Ijaz**

Abstract
Meerza Adeeb is an eminent Urdu drama writer who wrote numerous one act plays, which highlights the heroic lives of Islamic historical personalities including Tariq Bin Zayad, Muhammad Bin Qasim, Sultan Mahmood Ghaznavi, Ahmad Shah Abdali, Syed Ahmad Shaheed and Fatima Bint e Abdullah to spotlight their exemplary lives .Actually ,his aim is to present the sensation of boldness, bravery, devotion and patriotism. In the result, his dramas are an important source to know about the glory of our Islamic history. This article is a study of Meerza Adeeb's damas to analyze his presentation of Islamic historical personalities.
Keywords: Meerza Adeeb, Dramas ,Islamic historic Personalities, Tariq Bin Zayad, Muhammad Bin Qasim, Sultan Mahmood Ghaznavi, Ahmad Shah Abdali, Syed Ahmad Shaheed, Fatima Bint e Abdullah.

میر زاادیب کے ڈراموں میں اسلامی شخصیات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ان اسلامی تاریخ شخصیات میں طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی، احمد شاہ ابدالی، سید احمد شہید، فاطمہ بنت عبداللہ، نواب سراج الدولہ، وغیرہ شامل ہیں۔ان تاریخی ڈراموں میں محلاتی سازشوں کا عمل دخل، بادشاہت کا ظلم، غلامی، بغاوت اور بہادری و جرأت کے نمونے نظر آتے ہیں۔

ڈراما ''محمد بن قاسم'' میں نوجوان سپہ سالار کی بہادری، ذہانت، حکمت عملی، خدا پر یقین اور بلند حوصلے کے مختلف واقعات کو ایک منظم ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔دیبل کی بندرگاہ پر بحری ڈاکو نے حجاز کو جانے والے جہاز میں سوار مسلمانوں کو نہ صرف لوٹتے ہیں بلکہ بیوہ عورتوں، نوجوان لڑکیوں اور بچوں کو بھی قیدی بنا لیتے ہیں۔عباس نامی قیدی فاطمہ لڑکی کے خون سے لکھے خط کو حجاج بن یوسف تک پہنچاتا ہے جس میں حجاز کی یہ لڑکی، مدد کے لیے پکارتی ہے۔ گورنر بصرہ حجاج بن یوسف ان قیدیوں کی رہائی کے لیے لشکر کی سپہ سالاری کے فرائض سترہ سالہ محمد بن قاسم کو سونپتا ہے اور حتمی اجازت کے لیے خلیفہ کے پاس بھیجتا ہے۔ خلیفہ سوال کرتا ہے کہ تمہاری تلوار سے خالی نیام دیکھ کر افسوس ہوا۔ تم نے بہ طور سپاہی حاجب کے کہنے پر نیام خالی لے کر مرے پاس آنے کی غلطی کی ہے۔ محمد بن قاسم نے ذہانت سے دلیل دی کہ سپاہی کا یہ بھی فرض ہے کہ اگر امیر المومنین کے پاس جاتے ہوئے تلوار لے لی جاتی ہے تو اس اصول اور ضابطے کی پاسداری بھی ضروری ہے ورنہ گستاخی ہے۔ بیلہ کے قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حکمت عملی بھی عمدہ ہے۔ دشمن کی فوج، قلعہ کو غیر محفوظ چھوڑ کر، مسلم فوج کا گھیراؤ کر کے شکست دینے کی حکمتِ عملی ترتیب دیتی ہے۔ محمد بن قاسم کے جاسوسی نظام نے قلعہ خالی ہونے کی اطلاع دی، لہٰذا قلعہ کی فصیل پر محمد بن

* Assistant Professor Urdu, University of Okara.
Email: naseemahmar@hotmail.com
** Assistant Professor Urdu, University of Okara.
Email: sumairanaseem26@gmail.com

قاسم اکیلے چڑھ گئے اور دروازہ کھول کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ دشمن سے حسنِ سلوک اُس وقت نظر آتا ہے جب وہ دشمن فوج کے سپہ سالاروں کے لیے عام معافی کا اعلان کرتا ہے۔ دیبل قلعے پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال کرواتا ہے۔ جب جاسوس یہ خبر دیتے ہیں کہ شہر کے بڑے مندر کے کلس کا جھنڈا نہیں اترے گا، راجہ داہر کے نجومیوں کے بقول اُسے شکست نہیں ہو سکتی۔ محمد بن قاسم دیبل کے قلعے پر حملے کی بجائے مندر کے کلس سے جھنڈا اتار کر فتح حاصل کر لیتا ہے۔ خدا پر یقین بارہا مقامات پر اس ڈرامے میں دکھائی دیتا ہے۔ سپاہیوں سے خطاب، اللہ تعالیٰ سے مدد کے لیے دعا اور آخر میں اللہ کے شکر ادا کرنے سے خدا پر یقین بھی واضح ہوتا ہے۔

ڈراما ''طارق بن زیاد'' میں سپین کی فتح سے جڑے تاریخی واقعات کو ڈرامے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی مسلم سپہ سالار طارق بن زیاد کی جرات و بہادری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کے پاس افریقی گورنر کونٹ جولین کا سفیر یہ پیغام لے کر آتا ہے کہ اسپین کے بادشاہ راڈرک کے خلاف جو جنگ کریں آپ آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ موسیٰ اپنے سپہ سالار طارق بن زیاد سے یہ بات کرتا ہے تو طارق اسے ایک دشمن کی دوسرے دشمن کو کمزور کرنے کی چال قرار دیتا ہے۔ موسیٰ راڈرک کی بڑھتی ہوئی بحری قوت اور اپنے مفتوحہ علاقوں پر اس پر دوبارہ قبضے کی دلیل سے طارق کو اسپین پر حملہ کرنے کی تجویز دیتا ہے۔ جسے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی منظوری کے بعد عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ طارق مہم پر رخصت ہونے سے پہلے اپنی ماں کی نصیحتیں زادِ راہ بناتا ہے، ماں نصیحت کرتی ہے آگے بڑھو، واپس لوٹنے کا نہ سوچو کیوں کہ غازی موت سے نہیں ڈرتا، جنگ اللہ کے لیے لڑو لہٰذا طارق اندلس کے ساحل پر پہنچ کر کشتیاں جلانے کا حکم دیتا ہے تو سپاہی ششدر رہ جاتے ہیں اور طارق خطاب کرتا ہے۔ سپاہیوں کے اعتراض کہ وسیلے کو ختم کرنا، خلافِ مذہب ہے، کا جواب اس دلیل سے دیتا ہے، اللہ کے راستے میں اللہ کی جنگ لڑنے آتے ہیں تو واپسی کیسی؟ طارق کو نفل پڑھتے اور فتح کے لیے دعا مانگتے بھی دکھایا گیا ہے۔ فتح کے بعد وہ اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی میر زاادیب نے ایک سپہ سالار کی بہادری، ذہانت، ماں کی نصیحت اور اللہ سے دعا کو فتح و نصرت کے بیان کا حصہ بنا کے پیش کیا ہے۔

تاریخی ڈرامے لکھتے ہوئے کرداروں کا انتخاب بنیادی مرحلہ ہے۔ میر زاادیب اس مشکل مرحلے میں کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے ایسے معروف تاریخی کرداروں اور ان سے وابستہ واقعات کا چناؤ کیا ہے جو یقیناً اپنا ڈرامائی تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں، تاریخی ڈراموں میں تاریخ کو تخیل کی بہت زیادہ رنگ آمیزی سے بچانا بھی ایک مشکل امر ہے۔ میر زاادیب اس حوالے سے بھی سرخرو ہوتے ہیں کہ اُنھوں نے معروف کرداروں اور ان کے واقعات کے انتخاب سے تاریخ کو مشکوک یا مسخ ہونے سے بھی بچایا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ زکریا، میر زا ادیب کے تاریخی ڈراموں کی بابت لکھتے ہیں:

''میر زاادیب نے ایک ہی ڈرامے میں حقیقی اور تخیلی واقعات اور کرداروں کو ملا کر پیش کیا ہے، جس سے تاریخ کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں اور تخلیق کی شرائط کو بھی ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ ان ڈراموں میں متعدد مقامات ایسے آتے ہیں جہاں ڈراما صحیح معنوں میں ڈراما بن جاتا ہے۔''(۱)

میرزاادیب ایک ڈرامائی مجموعہ ''شیشہ وسنگ'' دس تاریخی ڈراموں پر مبنی ہے۔اس مجموعے کے زیادہ تر ڈرامے معروف تاریخی شخصیات کے گرد گھومتے ہیں۔اُنھوں نے جن معروف شخصیات کو ڈرامے کا موضوع بنایا ہے اُن میں تو سلطان محمود غزنوی، نواب سراج الدولہ، سید احمد شہید، احمد شاہ ابدالی، حضرت محل اور نواب جھجر وغیرہ خاص طور پر اہم ہیں۔ڈراما ''سلطان محمود غزنوی'' میں سلطان کی تخت نشینی اور عقیدہ و ایمان کو موضوع بنایا گیا ہے۔ محمود غزنوی کا باپ سبکتگین، اپنے قتل کی سازش میں اُسے گرفتار کرلیتا ہے۔ محمود کی والدہ بانو، اُس کے باپ کو اُس کی بے گناہی کی وجہ سے آزادی کی درخواست کرتی ہے اور وہ سبکتگین کو بتاتی ہے کہ درباری غداروں تو فائق اور ابوالحسن سجوری نے سازش کے ذریعے باپ کو بیٹے کے خلاف کر دیا ہے۔ سبکتگین اُسے اپنی تلوار کی قسم کھا کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کہتا ہے۔ محمود اس شرط پر رہائی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے کیوں کہ وہ خود کو ابھی اس قابل نہیں سمجھتا۔جب فائق اور ابوالحسن سجوری بغاوت کرتے ہیں تو محمود انھیں شکست دے کر اپنی بے گناہی ثابت کر دیتا ہے۔جب محمود غزنوی خراسان کی مہم میں ہوتا ہے تو سبکتگین اُسے جانشین مقرر کرنے کی بجائے چھوٹے بھائی اسماعیل کو یہ منصب سونپتا ہے۔ محمود غزنوی کے نزدیک اسماعیل میں اتنی صلاحیتیں نہیں کہ وہ اتنی بڑی سلطنت کو سنبھال سکے چنانچہ وہ اسماعیل کو دوبار تنبیہی خط لکھتا ہے۔ اسماعیل درباریوں کے بھڑکانے پر خط ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ محمود غزنوی آخر کار خود تخت پر قبضہ کرلیتا ہے اور اپنے بھائی کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ محمود کی ماں، بانو اُس کے بادشاہ بننے سے قبل اپنے خواب سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ محمود غزنوی سلطنت کا بادشاہ بننے پر اللہ رب العزت سے دعا کرنے کے بعد امور سلطنت کا آغاز کرتا ہے ۔ باغیوں کو عبرت ناک سزا دینا، خاتون حکمران سے حسنِ سلوک کرنا، ہندوستان کے حکمران آنند پاتی کے خلاف فوج کشی کرنا، خندقیں کھدوانے کی حکمت عملی اپنانا، غزنی میں شان دار مسجد کی تعمیر کرنا، سومنات کے مندر کے بچاریوں کے ظلم سے نجات کے لیے سومنات کے مندر پر حملے کرکے لوگوں کے دل سے دیویوں اور اُن کے بچاریوں کے انتقام و اقتدار کے جذبے کو فرو کرنے اور فتح و نصرت کے بعد دعا کرنے جیسے واقعات کے ذریعے محمود غزنوی کی بہادری، حسنِ سلوک، انسان دوستی، اور اللہ پر ایمان اور شکر کے جذبے کو بیان کیا ہے۔

ڈراما ''احمد شاہ ابدالی'' میں بھی مسلم سپہ سالار کی بہادری اور ایمان کو موضوع بناتے ہوئے مرہٹوں کے خلاف جنگ میں اس کے عملی ثبوت کو پیش کیا ہے۔اس ڈرامے میں احمد شاہ ابدالی کی زندگی کے آخری ایام میں یادوں کی باز آفرینی سے ڈراما تشکیل دیا گیا ہے۔احمد شاہ ابدالی، اپنے دیرینہ خادم یاقوت کے ساتھ بیماری کے عالم میں شمالی قندھار میں پرانے بہادری کے واقعات کو یاد کرتا ہے کہ جب اُسے دس سال کی عمر میں میر حسن نے قید کرلیا۔ نادر شاہ نے اُسے رہا کرواکے اپنا سپہ سالار بنایا ہے اور افغانستان میں اپنا نائب مقرر کیا۔ وہ اُسے یہ نصیحت بھی کرتا ہے کہ افغانستان میں قبائلی دشمنی اور ذاتی اقتدار کی خواہش نے حالات خراب کر رکھے ہیں لہٰذا احمد شاہ اپنے ابدالی خاندان کی سچی روایات کی علمبرداری کرتے ہوئے، اپنے ذہن و تدبر سے منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کرے۔افغانستان کے روحانی رہنما صابر شاہ کی احمد شاہ ابدالی سے متعلق پیشین گوئیاں، لاہور کے گورنر شاہ نواز خاں کے قاصد کا دلی پر قبضہ کرنے کا پیغام، شہنشاہِ ہند عالمگیر ثانی کو دلی پر قبضہ نہ کرنے کی وزیر آباد میں یقین دہانی کروانا، شاہ ولی اللہ کے خطوط جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی عزت اور مرہٹوں کے ظلم اور اسلام دشمنی کے

خلاف ہندوستان پر اپنی قوت پر حملہ کرنے کی دعوت، پانی پت کے معرکے میں حکمت عملی اور بہادری، اور پانی پت میں بو علی قلندر کے روضہ اقدس پر اللہ سے مدد کے لیے دعا کروانے کی درخواست ایسے واقعات سے مسلم سپہ سالار کی اکاون سالہ جدوجہدِ حیات کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ڈراما ''فاتح قسطنطنیہ'' میں سلطان محمد خاں ثانی کی بہادری اور زیرک فہمی کا بیان ہے، عثمانی حکومت کے بادشاہ مراد خاں کی وفات کے بعد اُس کا نوعمر بیٹا سلطان محمد خاں ثانی تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے دل میں حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق قسطنطنیہ کے فاتح کی جنت کی بشارت کو عملی جامہ پہنانے کی خواہش رکھتا ہے۔ سلطان کا وزیر اعظم خلیل پاشا، اُسے مسلمانوں کے قسطنطنیہ پر سات بار حملے کا حوالہ دیتا ہے۔ سلطان کے باپ سے صلح کر کے قیصر بادشاہ نے اُسے دھوکا دیا تھا۔ قیصر بادشاہ سلطان کے حملے سے قبل ہی ایک چال چلتا ہے۔ ایک ترکی شہزادہ ارخاں، قیصر کی پناہ میں ہے، وہ اُس پر اٹھنے والے اخراجات بڑھانے کی غرض سے ایلچی بھیجتا ہے اور انکار کی صورت میں انجام سے بھی باخبر کرتا ہے کہ وہ شہزادے کو آزاد کر دے گا، جو بعد سلطان کے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔ سلطان اخراجات بڑھانے سے انکار کر دیتا ہے۔ قیصر، آرک بشپ کو سلطان کے ارادوں سے باخبر کرتا ہے اور آرک اُسے یقین دلاتا ہے کہ ایک راز کی بدولت وہ کہہ سکتا ہے کہ جب تک شرائط پوری نہ ہوں گی کوئی بھی قسطنطنیہ کو فتح نہیں کر سکتا۔ سلطان آبنائے فاسفورس میں قلعہ کی تعمیر شروع کر دیتا ہے، قیصر کی فوج انھیں پسپا کر دیتی ہے، سلطان، فوج کو مملکت قیصر پر حملے کے لیے تیاری کا حکم دیتا ہے، اپنی فوج میں ہنگری کے انجینئر سے توپیں بنواتا ہے۔ سمندر سے قیصر کے قلعے تک پانچ میل تک فاصلہ تھا اور توپ خانے کو کشتیوں کے ذریعے ہی قلعے کے قریب پہنچایا جا سکتا تھا، سلطان یہ تجویز دیتا ہے کہ لکڑی کے بڑے بڑے تختے بنائے جائیں جس پر چربی کی تہ بچھائی جائے اور کشتیاں چلائی جائیں۔ آرک بشپ جب خشکی پر کشتیاں چلتے دیکھتا ہے تو وہ بھاگا بھاگا قیصر کو قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے کی نشانی سے آگاہ کرتا ہے کہ اب قسطنطنیہ کو بچانا مشکل ہے۔ سلطان اپنی رعایا اور فوج کو فتح کے لیے دعا کرنے کا پیغام بھیجتا ہے اور خود بھی دعا کرتا ہے۔ آخری معرے میں قسطنطنیہ کو فتح کر لیتا ہے۔ اس ڈرامے میں میرزاادیب بادشاہوں کے عزمِ صمیم اور پختہ ایمان کے نتیجے میں مشکل معرکے سر کرنے کے لیے بنیادی شرائط پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔

اٹلی کی فوجیں، جب بحیرہ روم عبور کر کے شمالی افریقہ کے اسلامی ملک طرابلس پر حملہ کرتی ہیں تو عرب اور ترک سپاہی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ میرزاادیب کا ڈراما ''فاطمہ بنت عبداللہ'' اسی تناظر میں لکھا گیا ڈراما ہے، جس کا مرکزی کردار عرب مسلمان لڑکی، فاطمہ ہے اور جو ابتدا میں ترک اور عرب سپاہیوں کی بندوقیں صاف کرتی ہے مگر میدانِ جنگ میں جانے کی شدید خواہش رکھتی ہے۔ اسی جذبے کے تحت حضرت امّ عمارہ کی مثالیں دیتی ہے کہ اُنھوں نے کس بہادری کے ساتھ جنگِ اُحد میں حضرت محمدؐ پر ہونے والے واروں کو روکا اور مشک بھر کر غازیوں کو پانی پلایا۔ وہ بھی حضرت اُمّ عمارہ کی طرح میدانِ جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلانا چاہتی ہے لیکن اس کے ماں باپ اور تُرک سردار احمد غوری بک، اس کی کم سنی کے سبب اُسے اس بات کی اجازت نہیں دینا چاہتے لیکن اس کے جذبے اور جنون کے سامنے چُپ ہو جاتے ہیں اور میدانِ جنگ میں پانی پلانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں بہت بہادری اور تیزی سے سپاہیوں کو پانی پلاتی ہے۔ ہر طرف اس کی بہادری کی تعریفیں ہوتی ہیں کہ اتنی کم سنی میں ایسی بہادری، جرات اور بے باکی کبھی نہیں دیکھی۔ ماں باپ اس پر فخر

کرتے ہیں۔ڈرامے کا انجام المیہ صورت پیدا کرتا ہے۔جب باپ فاطمہ کو خون میں تَر بہ تَر لے کر آتا ہے اور مشکیزہ اسی طرح اس کی کمر سے بندھا ہوتا ہے۔وطن کی خاطر اپنی اکلوتی بیٹی کی قربانی دینے کے باوجود اس کے والدین اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی شہید بچی کی پیشانی چومتے ہیں۔اس موقع پر فاطمہ کے باپ عبداللہ کے جملے،اُن کی قلبی کیفیت کی بہترین عکاسی کرتے ہیں:

''سارہ! تیرے گھر کا چراغ نہیں بجھا بلکہ ہمیشہ روشنی دینے والا چاند بن گیا ہے۔آنے والی نسلیں ہماری بچی کو یاد رکھیں گی اور کہیں گی کہ فاطمہ بنت عبداللہ،اسلام کی آبرو تھی۔اس کم سن بچی نے جنگ کے میدان میں غازیوں اور مجاہدوں کی پیاس بجھائی تھی۔کیا ہمارے لیے فخر کی بات نہیں ہے۔رو نہیں سارہ! اللہ نے ہمیں بڑی عزت دی ہے۔اس عزت کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔''(۲)

میرزاادیب نے اس ڈرامے میں ایک کم سن بچی کی شجاعت اور بہادری کو مثال بنا کر پیش کیا ہے تاکہ بچے اس مثال سے سبق سیکھیں۔فاطمہ کے مکالمے ذاس کی کم سنی اور جذبے کی صداقت کی عمدہ مثال ہیں۔ماں کا کردار،روایتی محبت کے دائرے سے نکل کر شہید بیٹی کی صابر ماں کا روپ دھارتا ہے۔باپ عبداللہ کے مکالمے اُس کے کردار کی مضبوطی اور عمر کے مطابق ہیں۔مصنف،ڈرامے کے آخری واقعے کے رونما ہونے سے قبل،ایک خواب کی صورت میں،انجام کی پہلے ہی اطلاع دیتے ہیں جب فاطمہ کی ماں سارہ،اپنے شوہر عبداللہ کو اپنا خواب سناتی ہے۔کہانی کا اختتام اسی اطلاع کے مطابق ہوتا ہے اور باپ اسی خواب کے تناظر میں سارا کو صبر کے لیے کہتا ہے۔وہ اپنا خواب اس طرح سُناتی ہے:

''میں نے دیکھا کہ...آندھی کا ایک جھونکا آیا ہے اور ہمارا چراغ طاق سے نکل کر زمین پر گر پڑا ہے۔فاطمہ ہمارے گھر کا چراغ ہے۔''(۳)

میرزاادیب نے فلسطین کی آزادی کو بھی اپنے ڈراموں کا موضوع بنایا ہے۔فلسطینی مسلمان،یہودی غاصبوں کو نکالنے کے لیے اس امید کے ساتھ اپنا خون بہا رہے ہیں کہ ان کی قربانی ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائے گی کیوں کہ شہیدوں کا لہو کبھی ضائع نہیں ہو سکتا اور ان کے مقدس لہو میں یہودیوں کا ظلم و ستم بہہ کر نیست و نابود ہو جائے گا۔''وطن کی خاطر''اسی تناظر میں لکھا گیا خوبصورت ڈراما ہے جو کہانی کی بُنت ،پیش کش،کردار نگاری اور مکالمے،ہر اعتبار سے مضبوط ڈراما ہے،جس میں فلسطینی مدرس،سلمان ملجاوی اور اس کی بیوی سمیرہ کا بیٹا فلسطین کی آزادی کے لیے جاری تحریک میں حصہ لینے کے سبب شہید ہو جاتا ہے اس کے باوجود،وہ فلسطین کی مجاہدہ ذفاطمہ برناوی کو بچانے کے لیے اپنی بیٹی ذکیہ کی قربانی دے دیتے ہیں اور اس بات پر خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے بیٹے اور بیٹی ذدونوں کو وطن کی خاطر قربان کر دیا ہے۔ذکیہ کی ماں سمیرہ کے جملے اس حوالے سے ملاحظہ ہوں:

''ہم خوش نصیب ہیں.....ہم نے اپنے بیٹے.....اور اپنی بیٹی کو...اپنے وطن پر قربان کر دیا ہے۔ہم خوش قسمت ہیں...اللہ ہمیں صبر دے...صبر دے۔''(۴)

فلسطین کے علاوہ الجزائر میں تحریکِ آزادی کے حوالے سے قصے بھی بیان کرتے ہیں۔۱۹۵۹ء سے قبل،یہ آزاد ملک،فرانسیسیوں کے قبضے میں تھا جسے آزاد کروانے کے لیے وہاں کے مسلمانوں نے بہت قربانیاں دیں۔ڈراما''باپ اور بیٹا''اسی پس منظر میں لکھا گیا ہے لیکن اس

ڈرامے کا پلاٹ انتہائی دردناک ہے۔یوسف، الجزائر کا ایک مجاہد ہے جو ملک کی آزادی کے لیے تحریک چلاتا ہے اور منصور اندھے فقیر کے بھیس میں، اس تحریک کی معاونت کی غرض سے پیغام رسانی کا کام کرتا ہے۔فرانسیسی، یوسف کو پکڑنے کے لیے بھاری انعام کا اعلان کرتے ہیں۔ منصور کا بیٹا ناصر، باپ کو دھوکا دیتا ہے کہ وہ بھی فدا کاروں میں شامل ہو گیا ہے مگر جب یوسف ان کے گھر آتا ہے تو وہ انعام کے لالچ میں فرانسیسی سپاہیوں کو یوسف کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ سپاہی وہاں پہنچ کر منصور اور یوسف کو پکڑ لیتے ہیں۔ منصور، سپاہیوں کے سامنے ڈراما کرتا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے ناصر سے گلے ملنا چاہتا ہے کیوں کہ جانے وہ آئندہ اپنے بیٹے سے مل سکے گا یا نہیں اور جب گلے ملتا ہے تو جیب میں سے پستول نکال کر اپنے بیٹے ناصر پر گولیاں برسا کر مار دیتا ہے۔یوسف، منصور سے کہتا ہے کہ یہ تو نے کیا کیا؟ اپنے بیٹے کو مار دیا تو منصور کا جواب، ایک مضبوط باپ اور پُر جوش مجاہد کے روپ میں سامنے آتا ہے۔اس کے ادا کردہ جملے دیکھیں، جن میں آزادی کے لیے جوش اور جنون نمایاں ہے:

''اپنے بیٹے کو نہیں... وطن کے مجرم کو مارا ہے۔زندہ رہ کر وہ اور ایسی حرکتیں کر سکتا تھا۔ چلو فرانسیسی ظالمو! کہاں لے جانا چاہتے ہو، لے چلو! اب مجھے کوئی فکر نہیں... کوئی خدشہ نہیں ہے۔''(۵)

میرزاادیب، تُرکوں اور عربوں کے ہاں بہادری اور شجاعت کی مثالیں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں سے متعلق، بہادری اور حب الوطنی کے قصے بیان کرتے ہیں۔ان قصوں میں حب الوطنی کے علاوہ محلّات کی سازشیں، شہزادوں کی آپس میں رقابت، بادشاہوں کی بیویوں کے مابین رقابت، خود غرضی، ہندوؤں کی لوٹ مار اور انگریزوں کی عیاری پر مبنی تصویریں بھی ملتی ہیں جن سے مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔اس تناظر میں لکھے گئے ڈراموں میں ''حضرت محل''، ''موت کے سامنے'' اور ''ایک صبح'' خاص طور پر اہم ہیں۔ڈاکٹر سیدہ مشہدی، تاریخی کہانیوں سے جڑے تقاضوں کی بابت لکھتی ہیں:

''تاریخی کہانیوں کی خوبی کی جانچ کا معیار یہ ہے کہ وہ بچوں میں کہانی کے ہیرو اور متعلقہ عہد سے دلچسپی پیدا کرے۔انھیں اس ماحول میں لے جائے جس کے متعلق کہانی لکھی جا رہی ہے۔ واقعات دلچسپ اور کردار پر کشش ہوں۔ زبان بھی صاف اور شگفتہ ہو۔تب ہی بچے ان کہانیوں میں دلچسپی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔''(۶)

اس رائے کی روشنی میں دیکھا جائے تو میرزاادیب کی تاریخی کہانیاں، اس معیار پر پورا اترتی ہیں کیوں کہ یہ کہانیاں، مقصدیت اور فن کے امتزاج سے جنم لیتی ہیں۔ڈراما ''سید احمد شہید'' میں ظلم کے خلاف بغاوت، جذبہ شہادت اور غداروں کے انداز و اطوار کو پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں سکھوں، مرہٹوں اور انگریزوں نے لوٹ مار اور ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا حتیٰ کہ سرحد میں ایک مسجد کو بھی آگ لگا دی گئی۔ سید احمد اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے متاثر ہو کر اور دیوانِ حافظؔ سے فال نکالنے کے بعد سرحد میں سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔انھوں نے چارسدہ میں مسلمانوں کو بیدار کرنا شروع کیا۔ایک جاسوس شمشیر علی کو اپنا بنایا۔بدھ سنگھ کے خلاف قلیل لشکر کے ساتھ فتح حاصل کی اور ایک غدار سردار یار محمد خاں نے کھچڑی میں زہر دیا مگر زندہ بچ گئے اور اگلے معرکے کے لیے بالاکوٹ کی

بجائے اسی جگہ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ بہادری سے لڑے اور جام شہادت نوش کیا۔ اس ڈرامے میں سید احمد شہید کے خطیبانہ انداز اور تقاریر کا بیانیہ طوالت کا حامل ہے۔

ڈراما ''نواب سراج الدولہ'' میں وطن پرستی اور غداری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نواب سراج الدولہ کے نانا نواب علی وردی کی ساری زندگی، بنگال میں وطن کی حفاظت کے لیے فرانسیسیوں اور مرہٹوں سے جنگ لڑتے گزری۔ آخری وقت میں بنگال کی عنانِ حکومت، اپنے نواسے سراج الدولہ کے سپرد کر دی اور وطن پر فدا ہونے کے لیے انگریزوں کے حوالے سے یہ نصیحت کی:

''یہ (انگریز) دشمن اتنا بہادر نہیں، جتنا فریب کار ہے۔ اس کی چالیں بڑی گہری اور خوف ناک ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارا سب سے بڑا اور حقیقی دشمن یہی انگریز ہے۔ تمہاری زندگی کا واحد مقصد اپنے وطن کی حفاظت ہے۔ اس فرض کو کسی حالت میں بھی نہ بھولو۔''(۷)

نواب سراج الدولہ کے خزانے سے چوری کرنے والے کشن پرشاد کو انگریز پناہ دیتے ہیں اور اُس کو واپس کرنے کی بجائے تجارتی کوٹھیوں کے گرد بلا اجازت مضبوط فصیلوں کی تعمیر بھی کر دیتے ہیں۔ سراج الدولہ، کلکتہ فتح کرنے کے بعد فوج کی کمان سپہ سالار مانک چند کو دے دیتا ہے جو سراج الدولہ کے مرشد آباد پہنچنے تک نواب کے پاس حاضر ہو جاتا ہے اور انگریزوں کے دوبارہ حملے کے بعد واپس آنے کا عذر پیش کرتا ہے۔ مانک چند کی غداری یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ دیگر ساتھیوں جگت سیٹھ اور اومی چندر کے ساتھ نواب کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی اور مغل شہنشاہ بھی اُس پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ انگریزوں سے صلح کر لی جائے۔ اُن کے کہنے پر صلح کے بعد انگریز جنرل لارڈ کلائیو نواب سراج الدولہ کے مقرر کردہ نئے سپہ سالار میر جعفر کو بھاری رشوت دے کر، اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نواب سراج الدولہ کو مسلسل ایسے خواب آتے ہیں جن میں بہت سے ایسے ہاتھ اُس کی طرف بڑھتے ہیں جن کی آستینوں میں خنجر ہیں۔ ان خوابوں کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے جب جنگ کے دوران میر جعفر، میدانِ جنگ میں اپنے سپاہیوں کو جنگ سے روک دیتا ہے، اس صورتِ حال میں نواب سراج الدولہ پھر جعفر کو وطن کی حفاظت کا واسطہ دیتا ہے مگر سب بے سود جاتا ہے۔ آخر نواب سراج الدولہ خود جنگ کرتا ہے اور میر جعفر کی غداری کے سبب شکست کھاتا ہے اور خود بھی شہید ہو جاتا ہے۔ اس ڈرامے میں میرزا ادیب نے بہادر جرنیل کی بہادری کے خلاف سازشوں اور غداروں کے رویوں کو بخوبی نمایاں کیا ہے۔

ڈراما ''حضرت محل'' میں بھی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے تناظر میں وطن پرستی اور غداری کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اودھ کے تاج دار واجد علی شاہ کو انگریزوں نے، جلاوطن کر کے مٹیا برج کلکتہ بھیجا تو اپنے تئیں انھیں یقین ہو چلا کہ یہ ریاست قبضے میں آ گئی مگر واجد علی شاہ کی ملکہ حضرت محل، بہادر اور جرات مند خاتون کے روپ میں سامنے آئی جو تجارت کی غرض سے آئے انگریزوں کے وجود سے اپنے وطن کو پاک کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ اس کے لیے اُس نے دور دراز کی ریاستوں کے راجوں، مہاراجوں کو خطوط لکھے اور اپنے وطن کی حفاظت کے لیے منظم ہونے کی دعوت دی۔ جب اُسے خبر ملی کہ جنرل اوٹرم کے سپاہی رات کے وقت محل کے ارد گرد گھومتے ہیں تو وہ بہادری سے تن تنہا اُن کی حرکات و سکنات کے مشاہدے کے لیے محل سے باہر آ گئی۔ جنگ آزادی کے وقت کی صورتِ حال اور حضرت محل کے جذبوں کا منظر نامہ

دیکھیے:

''بیگم صاحبہ! آپ کے دل میں جو مقدس آگ جل رہی ہے اس کی چنگاریاں اڑ اڑ کر ملک کے طول و عرض میں پھیل چکی ہیں اور یہ انھی چنگاریوں کا اثر ہے کہ آج ہزاروں سینے شعلہ فشاں ہیں۔ یہ محبانِ وطن غلامی کی زنجیریں کاٹ دینے اور ناموسِ وطن پر کٹ مرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں...اگرچہ ملک میں پست ہمتی عام ہے۔ لوگ سہمے سہمے سے نظر آتے ہیں اس کے باوجود میرے ہم وطنوں کا ایک بہت بڑا گروہ ان فرنگیوں سے سخت نفرت کرتا ہے۔''(۸)

حضرت محل، قیصر باغ کی دیگر بیگمات کی مخالفت کے باوجود اپنے بیٹے برجیس قدر کو اودھ کے حکمران ہونے کا اعلان کروا دیتی ہے۔ اس اعلان پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اپنی دولت سپاہیوں میں بانٹ دیتی ہے اور ہر سپاہی کو دوگنا زیادہ تنخواہ دینے کا اعلان بھی کرتی ہے۔ جنرل اوٹرم، حضرت محل کو کچھ شرائط بھیجتا ہے کہ جنرل پچیس ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی دے گا اور لکھنو کی حکومت بھی ہو گی اور لڑائی بھی نہیں ہو گی۔ بعد ازاں یہ خبر ملتی ہے کہ پہاڑوں میں چھپے خفیہ عسکری تنظیم کے ساتھیوں کو انگریزوں نے شہید کر دیا تو حضرت محل اپنی پوری قوت سے انگریز سے جنگ کا آغاز کرتی ہے۔ وہ اپنے خطیبانہ بیانات سے سپاہیوں کے جوش کو بھڑکاتی ہے اور وطن کی محبت بیدار کرتی ہے۔ آٹھ مہینے تک یہ لڑائی جاری رہتی ہے۔ آخر ایک غدار، اپنا کام دکھاتا ہے، جنرل اوٹرم، حضرت محل کے دیرینہ خادم بشن پرشاد کو رشوت دے کر اپنی سازش رچاتا ہے۔ بشن پرشاد، حضرت محل کو دوسرے مہاراجوں کی بھیجی ہوئی سپاہیوں کی کمک کو یہ کہہ کر واپس بھیجتا ہے کہ جنگ میں اخراجات کے لیے رقم کم پڑ گئی ہے اور یہ نواب اپنے علاقوں میں واپس جا کر رقم کا بندوبست کر کے لوٹیں۔ اس چال سے حضرت محل اور اُس کے ساتھیوں کی تعداد دن بہ دن کم ہو جاتی ہے۔ بشن پرشاد آستین کا سانپ ثابت ہوتا ہے اور حضرت محل، آزادی کی جنگ جاری رکھنے کے لیے اودھ کو خیر باد کہہ دیتی ہے اور نیپال کی طرف کوچ کر جاتی ہے۔ اس ڈرامے میں بھی وطن پرستی اور بہادری کے مقابل غداری، اپنے پاؤں پھیلاتی ہے۔

ڈراما ''نواب جھجر'' بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی وطن پرستی، غلامی سے نفرت، اور غداری کے داؤ پیچ کا بیان ملتا ہے۔ نواب جھجر نجابت علی خاں اپنے وطن ہندوستان سے شدید محبت رکھتا ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے ظلم، لوٹ مار اور وطن پر قبضے سے اس کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اُس کی شدید خواہش ہے کہ وہ اپنے وطن پر قربان ہو جائے۔ اُس کی والدہ کی بھی یہی خواہش ہے کہ اُس کا بیٹا اپنی دھرتی ماں پر فدا ہو۔ نواب نجابت علی خاں، خفیہ طور پر باغی ہندوستانیوں کی مدد کرتا ہے۔ چونکہ انگریزوں نے محل کے اطراف میں اپنے جاسوس بھی پھیلائے ہوتے ہیں لہٰذا باغی رہنما دلیر خاں، اپنے معتمد کو فقیر کا رُوپ دھار کر روٹی میں کاغذ لپیٹ کر اپنا پیغام نواب تک پہنچاتا ہے۔ دوسری جانب جنرل الیگزنڈر، غدارِ وطن غیاث، کے ذریعے جاسوسی کرواتا ہے۔ غیاث اپنی محبوبہ زرینہ کو نواب کے محل میں ملازمہ کے روپ میں بھیج دیتا ہے کہ ایک دن وہ اسی کاغذ کی تلاش میں نواب کی خواب گاہ میں چوری چھپے آتی ہے تو نواب کی ماں اُسے پکڑ لیتی ہے۔ نواب اُسے غدارِ وطن کا طعنہ دے کر گھر سے نکال دیتا ہے اور خود پیغام کے مطابق، دلیر خاں سے ملنے جاتا ہے۔ جنگ

آزادی میں نوابوں کے جذبۂ حب الوطنی اور انگریز سے نفرت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''جنگ آزادی سے پہلے میں نواب تھا اور تم لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا مگر وہ زمانہ گزر چکا ہے۔ میں نواب ہونے کے باوجود آج نواب نہیں ہوں۔ جنگ آزادی کا محض ایک سپاہی ہوں.....لال قلعے کی ساری چمک دم خاک میں مل گئی ہے۔ مرکزیت کے ختم ہو جانے سے ہندستان کی چھوٹی چھوٹی طاقتیں خودرو پودوں کی طرح پھوٹ نکلی ہیں، ہر طاقت کے سامنے اپنا ذاتی مفاد ہے۔ یہ ذاتی مفاد فرنگیوں کو پورے ملک پر قبضہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے.....ہر حصّے میں، ہر شہر میں، ہر قریے میں، ہر گائوں میں ہمیں یہ سوچ کر جنگ لڑنی ہے کہ ہم سات سمندر پار سے آئے ہوئے ان سفید فام تاجروں کو ملک سے باہر نکال دیں گے۔''(۹)

جنرل الیگزینڈر، جنرل ولسن کے حکم کے مطابق نواب کو مار دینا چاہتا ہے، کیوں کہ اس کی گرفتاری سے باغیوں میں جوش پیدا ہو جائے گا جو اُن کے جذبہ نفرت کو مزید ہوا دے گا۔ اس لیے انگریز نواب کے محل پر حملہ کر دیتے ہیں۔ نواب پر چلنے والی گولی زرینہ اپنے سینے پر سہہ کر اپنے وطن پر جان قربان کر دیتی ہے۔ انگریز نواب کو گرفتار کر کے اُسے توپ کے منہ میں رکھ کر بم سے اڑا دیتے ہیں۔ نواب کی ماں، وطن کے لیے اپنے بیٹے کی شہادت پر خوشی کے آنسو بہاتی ہے۔ اس ڈرامے میں جنگ آزادی کے عام اور غیر معروف تاریخی کرداروں کے ذریعے جذبہ حب الوطنی اور بہادری کی عمدہ مثال پیش کی گئی ہے۔

ڈراما ''موت کے سامنے'' احمد نگر کی حکمران چاند بی بی، کی تاریخی کہانی ہے، جو نہایت بہادر اور نڈر حکمران ہے۔ وہ مغل فوجیوں کے سپہ سالار خانِ خاناں کی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ سپاہیوں کو قلعے کی دیواروں کی کڑی نگرانی کا حکم دیتی ہے کہ جہاں کوئی شگاف پڑے، اُسے فوراً پُر کر دیں۔ رات کے وقت دیوار میں ایک بڑا شگاف دیکھنے پر خود اس شگاف میں کھڑی ہو جاتی ہے تاکہ کہیں دشمن کی نظر اس شگاف پر نہ جائے۔ سپاہی زخمی حالت میں اُسے باہر نکالتے ہیں اور شگاف پُر کرنے لگتے ہیں۔ خانِ خاناں کو بھیجے جانے والے پیغام سے اس کے جذبۂ آزادی کے لیے عزم کا اظہار ہوتا ہے:

''کیا خان خاناں نے عورت کو اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے کہ وہ وطن کی حفاظت کے لیے میان سے تلوار نہیں نکال سکتی! یہ تلوار چاند بی بی کی تلوار ہے جو احمد نگر کی آزادی کی نگہبان ہے اور جو احمد نگر کی آزادی کے دشمنوں پر بجلی بن کر گر سکتی ہے۔ جاؤ اپنے آقا کو بتا دو کہ وہ چاند بی بی کو ایک کمزور عورت نہ سمجھے۔ چاند بی بی کے ہاتھ میں جب تک یہ تلوار چمک رہی ہے۔ اس مقدس قلعے میں کسی حملہ آور کا ناپاک قدم ہر گز نہیں آ سکتا۔''(۱۰)

ڈراما، ''جنرل بخت خاں''، مغلیہ خاندان کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر کی کہانی ہے۔ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ ایسے میں بادشاہ بہت مایوس ہوتا ہے۔ مایوسی کے عالم میں جنرل بخت خاں، بادشاہ کو اُمید دلاتا ہے کہ وہ اپنے خون کا ایک ایک قطرہ، ملک کی آزادی کے لیے بہا دے گا مگر وطن کو انگریزوں کی غلامی میں ہر گز نہیں دے گا۔ بادشاہ اس بہادر اور نڈر سپاہی پر اعتماد کرتا ہے اور اُسے اپنی شاہی تلوار پیش کرتا ہے کیوں کہ وہ اُسے اس تلوار کا حقیقی وارث سمجھتا ہے۔ بادشاہ، بخت خاں کو شاہی فوج کا سپہ سالار بنا کر فوجی معاملات میں با اختیار بناتا

ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے، اقتدار کے حصول کی خاطر آپس میں جھگڑتے ہیں اور جب اُنھیں پتہ چلتا ہے کہ جنرل بخت خاں، فوج کا سپہ سالار ہے اور انھیں اس کی پیروی کرنا ہو گی تو وہ اس کے ماتحت کا مکر نا قبول نہیں کرتے۔ جنرل بخت خان کے بہت سمجھانے کے باوجود، وہ اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر، فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے محض ایک حصہ، بہادر جرنیل بخت خان کی کمان میں دیتا ہے جس کے سبب جنرل بخت خاں، اپنی جنگی بصیرت اور شجاعت کے جوہر نہیں دکھا پاتا اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مغل حکومت کا آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔

مذکورہ ڈرامے کا مرکزی کردار، جنرل بخت خان ہے جس کے اندر بہادری، شجاعت و خودداری اور جنگی بصیرت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہے مگر بادشاہ کے بیٹے اس کے کی جنگی حکمت عملی کی راہ کا وٹ بنتے ہیں۔ یہ کردار اتنا نڈر ہے کہ بادشاہ کو مخاطب کر کے اس کی وہ غلطیاں گنواتا ہے جو اس کی سلطنت کے زوال کا سبب بنیں۔ شہزادوں کو بار بار سمجھاتا ہے کہ اگر ملک ہی نہ رہا تو حکومت کیسے حاصل ہو گی مگر شہزادے اس کی ایک نہیں سنتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کا کردار، ایک بے بس اور مایوس بادشاہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جنرل بخت خاں اور شہزادے میرزا مغل کے درمیان کش مکش، ڈرامے میں تصادم کی صورت پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں ڈراما، المیہ انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسد اریب، میرزاادیب کے ڈراموں کی انفرادیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرزاادیب کے لکھے ہوئے ڈرامے بچوں کے لیے آسان بھی ہیں اور دلچسپ بھی۔ انھیں بچوں کے لیے ڈرامے لکھنے میں خاص مہارت حاصل ہے۔ خاص طور پر تاریخی واقعات سے اخذ کیے ہوئے ان کے ڈرامے بہت اچھے ہیں۔''(۱۱)

میرزاادیب ہندوستان کی سرزمین سے جُڑے تاریخی واقعات اور تاریخی کرداروں کے وسیلے سے کہانی کا تانا بانا بُن کر بچوں میں شجاعت، دلیری اور جذبۂ حب الوطنی پیدا کرتے ہیں۔ اس تناظر میں لکھے گئے ڈراموں سے مسلمانوں کی صفوں میں پیدا ہونے والا نفاق، اتحاد کے فقدان اور غداری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال نمایاں ہوتی ہے۔

میرزاادیب کے وہ تمام ڈرامے، جو کسی تاریخی واقعے، تاریخی کردار، شجاعت، جرأت اور جذبۂ حب الوطنی پر مبنی ہیں، انھیں اپنے موضوع اور ڈرامے کے فن، ہر دو اعتبار سے اُن کے ڈرامائی سرمایے میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ قاری میں جذبۂ ترحّم اُبھارنا، ڈرامے کی اہم خوبی سمجھی جاتی ہے اور جو ڈراما قاری میں جتنا زیادہ یہ جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ ڈراما اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ میرزاادیب کے اس نوعیت کے تمام ڈراموں میں یہ عنصر نمایاں ہے۔ قاری ان ڈراموں کو پڑھتے ہوئے اپنے آنسوئوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اور ڈرامے میں پیش کردہ کرداروں کو مثال بناتے ہوئے اپنے اندر ان جذبات کو تر و تازہ محسوس کرتا ہے۔ ان ڈراموں کے کردار اور مکالمے، کہانی کے ساتھ ایسی موافقت رکھتے ہیں کہ قاری بہت دیر تک ڈرامے کے سحر میں مبتلا رہتا ہے۔

References

1. Dr. Khuwaja Zakariya, Muqadima Sheesha wa Sung, By: Mirza Adeeb, Lahore, Maqbool Academy, 1999, p. 6.
2. Mirza Adeeb, Watab ki Pukar, Maqbool Academy, p. 92.
3. Ibid, p. 90.

4. Mirza Adeeb, Panch Drame, Lahore, Punjab Textbook Board, 1972, p. 68.
5. Ibid, p. 68.
6. Dr. Syed Mashadi, Urdu main Bachon ka Adab, Ranchi, Aiman Publications, 1990, p. 69.
7. Mirza Adeeb, Sheesha wa Sung, Lahore, Maqbool Academy, 1999, p. 66.
8. Ibid, p. 211.
9. Ibid, p. 112.
10. Mirza Adeeb, Watab ki Pukar, p. 43.
11. Dr. Asad Areeb, Bachon ka Adab, Tareekh wa Tanqeed, Multan, Karwan e Adab, p. 142.